The Heavenly Father

The Rev.Dr.M.H.Durrani

آسمانی باپ

فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا

خدا کو یاد کرو جس طرح اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے

سورہ بقرہ ۲۰۰

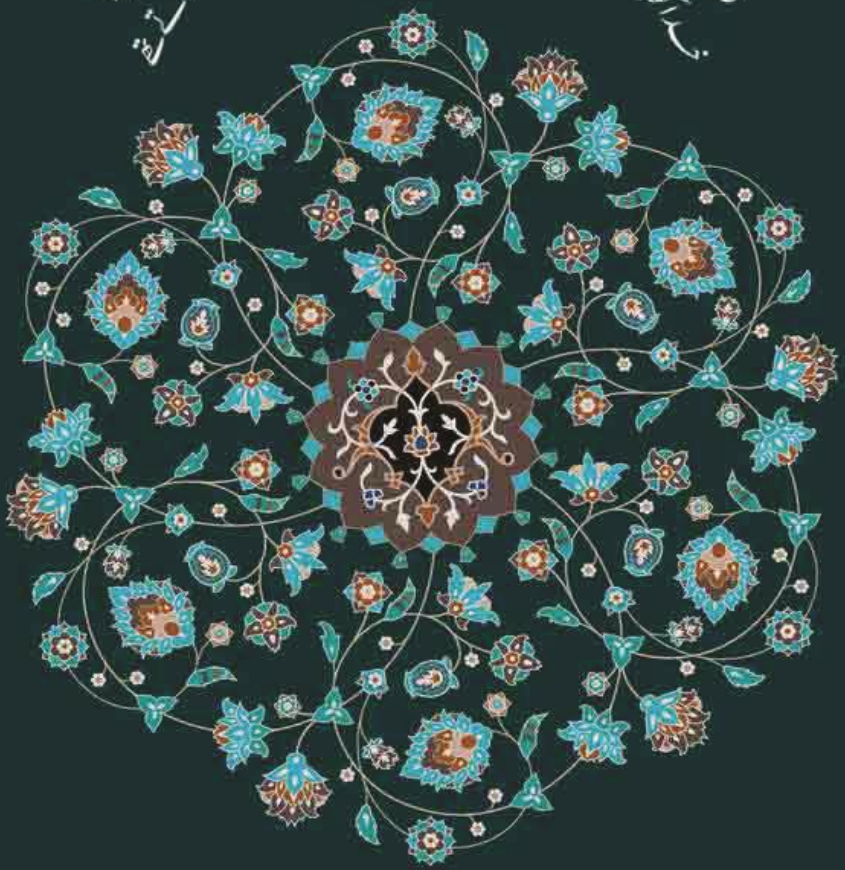

1952

www.noor-e-hayat.com

آسمانی باپ

صاحبِ رشتہ

الہامی کتُب سے یہ معرفت حاصل ہوتی ہے کہ انسان مدنی بالطبع اور صاحب رشتہ مخلوق ہے۔ اس کا رشتہ بادشاہ۔ ملک اور ہم جنس سے ہوتا ہے۔ اکثر لوگ اپنے رشتہ کو بخوبی پہچانتے ہیں کہ ان کا رشتہ دوسروں کے ساتھ ہمدردی یا مخالفت، محبت یا نفرت کا ہے۔ جب یہ رشتہ ہمدردی، مہربانی اور محبت پر مبنی ہوتا ہے تو ایک دوسرے کو بخوبی پہچانتے ہیں اور ایک دوسرے پر بھروسہ بھی کرتے ہیں اور اسی طرح برداری قائم ہو جاتی ہے۔ لیکن جب آپ میں کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے تو رشتہ نہ صرف ٹوٹ جاتا ہے بلکہ ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں۔

جس طرح انسان ملکی ربط وضبط اور خاندانی میل ملاپ کے طور پر صاحبِ رشتہ مخلوق ہے۔ ایسے ہی دینی اعتبار سے آدمی خاص طور پر صاحبِ رشتہ مخلوق ہے۔ کیونکہ دینِ انسان اور خدا کے تعلق کی ایک خاص علامت ہے۔ دین ہی وہ خاص رابطہ ہے۔ جو کہ انسانی روح کو خدا کے ساتھ مربوط رکھتا ہے۔

صاحبِ اخلاق

چنانچہ جب ہم انسانی صفات پر غور کرتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ انسان ایک صاحبِ اخلاق وجود ہے۔ جو نیک اور بد میں تمیز کر سکتا ہے۔ راستی اور ناراستی کو سمجھتا ہے۔ اعلیٰ درجہ تک علم وحکمت حاصل کر سکتا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر وہ اپنے ہم جنس کے لئے دردمندی، مہربانی اور محبت دکھلا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ موت بھی گوارا کر سکتا ہے۔ پس جبکہ انسان اس اعلیٰ درجہ تک صاحبِ اخلاق ہے تو پھر کیا اس کے خالق کو بدرجہ اولیٰ صاحبِ محبت اور ایثار کیوں نہ مانا جائے؟

بانیِ اخلاق

ہم جانتے ہیں کہ خدا کے اخلاق کا ثبوت انسان کے اخلاق سے ملتا ہے۔ مثلاً یہ کہ خدا نیک اور رحیم ہے اور یہی صفت انسان میں بھی پائی جاتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ خدا کی یہ خوبیاں نہایت اعلیٰ خالص اور کامل ہیں۔ ورنہ ہمارے نزدیک ان الفاظ کے کچھ معنی نہ ہونگے؟ جب ہم اپنی عقل اور اخلاقی خوبی پر غور کرتے ہیں تو ہم کو ماننا پڑتا ہے کہ یہ خوبی ہمارے خالق میں بدرجہ اُتم موجود ہے۔ اگر آنکھ سورج کی طرح نورانی نہ ہوتی تو وہ سورج کو کس طرح دیکھ سکتی۔ انسان کی عقل خدا کی حکمت کو دھندلے طور پر ظاہر کرتی ہے۔ انسان کی نیکی خدا کی پاکیزگی کو ہلکے طور پر نمایاں کرتی ہے۔ جس حال کی محبت رحم اور خود انکاری انسان میں پائی جاتی ہے۔ تو کیا ہم کو تسلیم کرنا مناسب نہیں کہ یہ خدا کے وسیع دل کا عکس ہیں۔ خلیفہ ہارون الرشید کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ اُن کو اپنی رعایا کا اس قدر خیال تھا کہ وہ رات کو بھیس بدل کر شہر میں پھرا کرتے تھے تاکہ اپنی رعایا کی ضرورتوں اور مصیبتوں کو معلوم کر کے اُنہیں دور کریں۔ پس کیا خدا تعالیٰ ہارون کی نسبت کم مہربان، ہمدرد اور محبت کرنے والا ہے۔ جب آدمی اس قدر صاحب محبت اور ایثار پسند

ہے تو کیا خدا کے لئے ایسا ہونا ناممکن ہے۔ نہیں ہر گز نہیں بلکہ خدا تو کہیں زیادہ جانتا ہے کہ محبت اور ایثار کیا ہے۔ چنانچہ سورہ الروم کی آیت ۲۰ میں وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً یعنی خدا نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے محبت اور نرم دلی رکھی ہے"۔ خدا کیونکر ایسا کر سکتا ہے اگر وہ خود کامل طور پر نہ جانتا کہ محبت اور دردمندی کیا ہے؟ الغرض جس قدر ہم کو اپنی پہچان ہو گی۔ اُسی قدر ہم اپنے خالق کا عرفان حاصل کرینگے۔

مکاشفہ سے دلیل

اہل اسلام چار کتابوں کو الہامی مانتے ہیں۔ قرآن کے بموجب اُن کو موسیٰ کی توریت، داؤد کا زبور، مسیح کی انجیل اور صحائف انبیاء پر ایمان لانا چاہیے۔ لہذا مناسب نہیں کہ اُنکی تکذیب یا حرف گیری کی جائے۔ بلکہ قرآن کے برابر اُن کی تعظیم کرنا لازمی ہے۔ قُلْ آمَنَّا بِاللّهِ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَقَ وَيَعْقُوبَ وَالأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَالنَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لاَ نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ" یعنی کہو کہ ہم ایمان لاتے ہیں ساتھ اللہ کے اور جو نازل ہوا ہم پر اور ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب پر اور اسرائیلی فرقوں پر اور جو ملا موسیٰ اور عیسیٰ کو اور نبیوں کو اپنے رب سے۔ ہم ان میں کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اس واسطے اُس کے فرمانبردار ہیں (عمران آیت ۸۵)۔ اگر ہماری کتُب منسوخ یا محرف ہوتیں تو اُن پر ایمان کی تکلیف دینی مہمل و مجنونانہ فعل ہوتا۔ لیکن وہ صرف صحیح وسالم ہیں بلکہ اہل دنیا کے لئے ہدایت، روشنی اور بموجب رحمت ہیں ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيَ أَحْسَنَ وَتَفْصِيلاً لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً یعنی ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی۔ جس سے نیکوکاروں پر ہماری نعمت پوری ہوئی۔ اُس میں کل باتوں کے تفصیلی احکام موجود ہیں۔ اور لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہیں (سورہ انعام آیت ۱۵۴)۔ وَآتَيْنَاهُ الإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ یعنی اور ہم نے عیسیٰ کو انجیل دی اور اُس کے اندر ہدایت اور نور ہے۔ اور وہ تصدیق کرتی ہے توریت کو جو اُس کے آگے تھی۔ اور وہ ہدایت اور نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لئے (مائدہ آیت ۴۸)۔ یا اگر ہماری کتُب مقدسہ خلط ملط ہوتیں تو کیوں آنحضرت کو یہ فرمایا کہ فَإِن كُنتَ فِي شَكٍّ مِّمَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ فَاسْأَلِ الَّذِينَ يَقْرَؤُونَ الْكِتَابَ مِن قَبْلِكَ یعنی اے محمد اگر اس چیز سے شک میں ہے جو ہم نے تیری طرف اتاری تو اُن سے پوچھ لے جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں (سورہ یونس آیت ۹۴)۔

پس اہل اسلام کو قرآن کی طرح ہماری کتُب مقدسہ پر نہ صرف ایمان لانا فرض ہے۔ بلکہ اُن کے احکام کے مطابق عمل کرنا واجب ہے۔ کیونکہ وہ نوراور ہدایت ہیں (مائدہ) امام ورحمت ہیں۔ (احقاف)۔ کل باتوں کے تفصیلی احکام ہیں (انعام) قرآن نہ صرف بائبل کا تصدیق کرنے والا ہے بلکہ محافظ بھی ہے۔ (مائدہ) یہ امر قابل غور ہے۔ کہ کیا کوئی ایماندار محرف کتاب کو قابل عمل کہے گا۔ یا کسی منسوخ کتاب پر ایمان لانے کی ترغیب دیگا۔ نہیں ہر گز نہیں۔ لیکن آنحضرت اہل کتاب کی کتابوں پر ایمان لاکر اُنہیں نور وہدایت بتلاتے ہیں اور یہ مشورہ دیتے ہیں کہ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنجِيلِ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فِيهِ ۔یعنی واجب ہے کہ حکم کریں انجیل والے اُسی کے مطابق جو اللہ نے اُسکے اندر نازل فرمایا۔ (سورہ مائدہ رکوع ۷)۔

انسان کا رشتہ خدا سے

چنانچہ الہامی نوشتوں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور خدا میں اخلاقی صفات پائی جاتی ہیں۔ توریت میں لکھا ہے کہ خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ قرآن اس حقیقت کی تصدیق کرتا ہے کہ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً یعنی کہا پروردگار نے تیرے لئے فرشتوں سے کہ تحقیق میں بنانے والا ہوں بیچ زمین کے نائب (سورہ بقرہ آیت ۳۰)۔ جس سے مراد یہ ہے۔ کہ انسان نہ صرف اشرف المخلوقات ہے۔ بلکہ تمام اخلاقی خوبیوں میں اپنے خالق کی مانند ہے۔ مشکوات المصباح جلد ۲ صفحہ ۱۷ پر لکھا ہے کہ فان اللہ خلق آدمہ علیٰ صورتہ یعنی خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ قرآن میں آدم کی پیدائش کا بیان یوں ہے نفخ فیہ من روحہ یعنی خدا نے اپنی روح آدم میں پھونکی (سورہ سجدہ) البیضاوی نے اس کی شرع میں یہ لکھا ہے کہ خدا نے آدم کا رشتہ اپنے ساتھ قائم کیا کہ انسان ایک عجیب مخلوق ہے اور کسی نہ کسی طرح ذاتِ الٰہی سے رشتہ رکھتا ہے۔ پس جو کوئی اپنے کو جانتا ہے۔ وہ اپنے خداوند کو جانتا ہے۔ حضرت علی نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے کہ وہ جو اپنے نفس کو پہچانتا ہے وہ اپنے رب کو جانتا ہے۔ لہذا یہ تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ جس قدر اعلیٰ اخلاقی خوبی ہم میں ہوگی اُسی قدر ہم خدا کی حقیقی ذات اور صفات کو سمجھ سکیں گے۔ کیونکہ خدا کی صورت سے یہی مراد ہے نا کہ جسمانی مشابہت اس سے بہتر اور کونسا اعلیٰ تصور ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی اخلاقی خوبی کے لحاظ سے اپنے تئیں خدا کا دھندلا عکس سمجھے۔ افسوس کہ ہماری اخلاقی صورت بگڑ گئی۔ آدم نے ممنوع پھل کھا کر اپنے خالق کی نافرمانی کی۔ اسی لئے حدیث میں کہا گیا ہے کہ خطا آدمہ مخطارت ذریتہ "آدم نے خطا کی اور اسی سبب سے اُسکی اولاد نے خطا کی"۔ کوئی بشر ایسا نہیں جس کے دل میں یہ موروثی فساد نہ ہو۔ لہذا کوئی بشر اپنے اخلاقی معیار تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک کہ وہ پہلے اپنے گناہ سے رہائی نہ پائے۔ کیونکہ خوبی کسب، خوبی طبیعت پر موقوف ہے۔ "جیسا بُرا آدمی بُرے خزانے سے بُری چیزیں نکالتا ہے۔ اور اچھا درخت نہیں جو بُرا پھل لائے اور کوئی بُرا درخت نہیں جو اچھا پھل لائے"۔ پس بگڑی طبیعت سے حقیقی نیکی کا صُدور اور الٰہی طبیعت کا حصول ممکن نہیں۔ اسی لئے طبعی بگاڑ سے چھٹکارا پانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان کی طبیعت کسی ایسی فوق الفطرت موثر سے متاثر ہو۔ جس سے اُس کی طبیعت کی اصلاح ہو جائے۔ یہ فوق الفطرت موثر کلام مقدس کے بموجب ربنا المسیح ہے۔

غرض کہ خدا نے ہم کو صاحب اخلاق اسی لئے پیدا کیا ہے کہ ہم اُس کی ذات کو بخوبی سمجھ سکیں۔ بھلا ایسے خدا سے تسلی واطمینان ہم کو کیونکر ہو سکتا ہے۔ جس کی صفات ہم سے بالکل جداگانہ ہو۔ کیا بت پرست لکڑی پتھر اور سونا چاندی کی مورتوں سے رفاقت رکھ سکتے ہیں؟ نہیں اس لئے کہ اُن

کی صفات بالکل مختلف ہے۔ ایک جاندار اور دوسرا بیجان ایک مادہ اور دوسرا روح اور روح کو روح کے ساتھ میل ہے۔ انسان کو صرف ایسے وجود سے تسکین ہو سکتی ہے جو اُس کی مانند اخلاقی خوبیوں کا مالک ہے۔

پدرانہ محبت

اکثر کہا جاتا ہے کہ انسان کی سب سے اعلیٰ قوت عقل ہے۔ لیکن محض عقل سے ہم اپنے ہم جنس انسان کے ساتھ رفاقت نہیں رکھتے بلکہ محبت سے کیونکہ تمام اخلاقی خصائل "محبت" کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ ہماری مراد اُس محبت سے ہے جو خواہش نفسانی اور تمام گندگی سے مبرا ہے۔ اور جس کے تمام افعال پاکیزگی خود انکاری اور خود نثاری سے انجام پاتے ہیں۔ انسان میں یہ نیک خصلت کہاں سے آئی؟ اس میں شک نہیں کہ خالق نے اُسے یہ وصف عطا فرمایا ہے کہ ورنہ انسان اپنے خالق سے بزرگتر ہوتا اور یہ ممکن نہیں۔ افسوس کا مقام ہے کہ اکثر لوگ جب محبت کا ذکر کرتے ہیں۔ تب اُنکے خیال میں اُس کے ساتھ نفسانی علاقہ مربوط ہوتا ہے۔ اور اس طرح سے لفظ محبت کو گندگی کے دلدل میں گھسیٹ لاتے ہیں۔ حالانکہ قرآن شریف میں خدا کا ممتاز نام "الودود" ہے یعنی پیار کرنے والا۔

بہر حال ہماری مراد ایسی محبت سے ہے جو کہ بیماروں، غمزدوں اور گنہگاروں کے لئے ہمدردی، دوستی اور صبر کا اظہار کرتی ہے۔ کیونکہ محبت "صابر ہے۔ اور مہربان محبت حسد نہیں کرتی، محبت شیخی نہیں مارتی اور پھولتی نہیں۔ ناز یبا کام نہیں کرتی، اپنی بہتری نہیں چاہتی، جھنجھلاتی نہیں، بدگمانی نہیں کرتی۔ بدکاری سے خوش نہیں ہوتی بلکہ راستی سے خوش ہوتی ہے۔ سب کچھ سہہ لیتی ہے۔ سب کچھ یقین کرتی ہے۔ سب باتوں کی اُمید رکھتی ہے۔ سب باتوں کی برداشت کرتی ہے"۔ ایسی محبت نہ صرف اخلاقی خصائل کی سب سے اعلیٰ مثال ہے۔ بلکہ انسان میں خدا کی صورت کو ظاہر کرتی ہے۔ جو اُس کو پیدائش کے وقت عطا کی گئی تھی۔ پس جبکہ محبت انسان کو سب سے اعلیٰ مخلوق بنا دیتی ہے۔ لہذا یہ نتیجہ نکالنا غلط نہیں کہ ہمارا رشتہ خدا کے ساتھ اور خدا کا رشتہ ہمارے ساتھ قائم و برقرار رکھنے کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ "ہم خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھیں۔

اسی نکتہ کو خواجہ عبید اللہ سورہ الفاتحہ کی تفسیر میں یوں پیش کرتے ہیں "اے خداوند تو سیدھے راستے پر ہماری رہنمائی کر"۔ اُس راستے میں ہم کو لے چل۔ جو ہمیں تجھ پاس پہنچائے اور اپنی محبت سے ہم کو برکت دے جو تیرا ذاتی جوہر ہے اور ہم کو ایسی بات سے خالی کر جو ہم کو تجھ سے دُور رکھے ہماری اس راہ پر ہدایت کر۔ جس میں ہم سوائے تیرے اور کسی کو نہ دیکھیں۔ سواء تیرے اور کسی کی نہ سنیں۔ سواء تیرے اور کسی سے محبت نہ کریں"۔ (تفسیر حسینی)۔

الغزالی یوں بیان کرتے ہیں کہ جو مناسبت خدا اور انسان کے درمیان پائی جاتی ہے وہ ان علم الٰہی داں کی دلیل کو باطل کرتی ہے جو کہتے ہیں کہ انسان ایسے وجود سے محبت نہیں کر سکتا جو اُسی کے جنس سے نہ ہو۔ یہ مناسبت کتنی ہی اہم کیوں نہ ہو۔ لیکن انسان اس مناسبت کے باعث خدا سے محبت رکھ سکتا ہے جو اس جملہ میں پائی جاتی ہے کہ خدا نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا ہے (مشرق و مغرب جولائی نمبر ۱۹۱۰ء) پس جب خدا فرماتا ہے کہ انسان اپنے سارے دل جان اور طاقت سے اُسے پیار کرے۔ تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذات الٰہی نہ صرف انسان کی محبت کو قبول کر سکتی ہے بلکہ اُس کے لئے اپنی محبت کو ظاہر بھی کر سکتی ہے انجیل اس کے ثبوت میں یوں کہتی ہے کہ خدا محبت ہے۔ کس طرح خدا اپنی محبت انسان پر ظاہر کرتا ہے ایک ہی طریقہ ہے اور وہ طریقہ رشتہ پدرانہ جسے انسان جانتا اور بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

خدا باپ ہے

چنانچہ انجیل مقدس کی یہ تعلیم ہے کہ خدا ہمارے باپ کی مانند ہے۔ ہم سے محبت کرتا ہے۔ لفظ باپ سے بڑھ کر کوئی اور ایسا لفظ نہیں۔ جس سے ہم ایسے مانوس ہوں ہر ذی سمجھ اتفاق کریگا۔ کہ خاندان اور ہر ملت میں پدرانہ رشتہ کی وجہ سے خالص محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ اولاد کے لئے باپ کی محبت کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ باپ کی محبت اولاد کی بہبودی کے لئے ہر قسم کی تکلیف گوارا کرتی ہے۔ جب بیٹا کسی خطا کا مرتکب ہوتا ہے۔ تو اس ننگ و عار سے متاثر ہو کر باپ غمگیں ہوتا ہے۔ اور بعض حالتوں میں اپنے بیٹے کے جُرم کی سزا بھی اپنے اُوپر لینے سے گریز نہیں کرتا۔ سچ تو یہ ہے کہ دنیا میں کوئی بھی محبت ایسی نہیں جیسی کہ باپ کو اپنے بیٹے سے ہوتی ہے۔ یہ محبت خود انکاری اور جانثاری کی محبت ہے۔ گو یہ ملائم اور مہربان ہے تو بھی عدل کا پتلا سکتی ہے۔ الغرض جو محبت باپ کو اولاد سے اور اولاد کو باپ سے ہوتی ہے۔ اس میں نفسانیت کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ مہربان محافظ اور جانثار ہوتی ہے۔

پس جبکہ باپ اور بیٹے میں ایسی گہری محبت پائی جاتی ہے۔ تو پھر خدا اور انسان میں وہی پدرانہ رشتہ کیوں نہیں ہو سکتا؟ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہم میں خدا کی پدرانہ محبت کا پاکیزہ خیال کہاں سے آیا؟ کیا یہ بات سب سے پہلے ہمارے خالق کے دل میں موجود نہ تھی؟ توریت میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ انسان خدا کی صورت میں پیدا ہوا"۔ گو ہم کمزور اور کج فہم ہیں۔ کہ ہمارے لئے یہ ممکن نہیں کہ ہم خدا کی ذات کو پورے طور پر سمجھ سکیں۔ لیکن یہ مسئلہ قرین قیاس ہے کہ انسان کے لئے خدا اپنی محبت اس پاکیزہ رشتہ کے ذریعے ظاہر کرے۔ جسے وہ بخوبی جانتا اور سمجھتا ہے۔

کتاب مقدس میں یہ رشتہ داری تین صورتوں میں ظاہر کی گئی ہے۔ اول انسان اپنی کمالیت میں خدا سے رشتہ رکھتا ہے۔ دوم خدا نے انسان کو اپنی صورت پر خلق کیا۔ سوم۔ خدا ہر ایک ایسے شخص کو اپنا بیٹا کہنے خوش ہوتا ہے۔ جو اُس کی حضوری میں زندگی بسر کرے۔ لہذا ہر انسان کے لئے اعلیٰ امکانات کا موقعہ ہے۔ گو انسان نافرمانی کے باعث اپنے پیدائشی حق اور رفاقت الٰہی کھو بیٹھا۔ پھر بھی وہ اُسے از سر نو مسیح کے وسیلے حاصل کر سکتا ہے۔ کیونکہ جن اُمور میں لوگ ناکام رہے۔ مسیح نہ صرف کامیاب ہوا بلکہ ہم پر ظاہر کیا کہ خدا کا حقیقی بیٹا ہونا کیا ہے۔ اور یہ فرزندانہ رشتہ بذریعہ ایمان فرمانبرداری اور محبت سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ خدا کی رفاقت کی آرزو جو انسان کے دل میں پائی جاتی ہے۔ اب مسیح میں بخوبی پوری سکتی ہے۔ کیونکہ وہ نہ صرف نئی راہ کا بانی ہے۔ بلکہ بذات خود "راہ اور حق اور زندگی ہے" کیونکہ جتنوں نے اُسے قبول کیا اُس نے اُنہیں خدا کے فرزند بننے کا حق بخشا۔ یعنی جو اُس کے نام پر ایمان لاتے ہیں" (یوحنا ۱: ۱۲)۔

خدا کا کنبہ

پس اگر ہم باپ اور بیٹے کے حقیقی رشتہ کو جو ہمارے اور خدا کے درمیان ہے۔ سمجھ لیں۔ تب ہم اجتماعی زندگی امن وامان سے بسر کر سکتے ہیں۔ کیونکہ بھائی چارہ کا یہ تقاضہ ہے کہ ہر شخص دوسرے کے ساتھ وہی سلوک روا رکھے جو وہ اپنے لئے چاہتا ہے۔ (متی ۷: ۱۲) یعنی تم نہیں چاہتے کہ کوئی تمہارے ساتھ بدعہدی، بدسلوکی سے پیش آئے فریب دے، جھوٹ بولے اور تمہارا حق غضب کرے۔ بدکلامی بدزبانی اور احسان فراموشی کا ثبوت دے۔ پس تم بھی اوروں کے ساتھ ایسا نہ کرو۔ اسی ایک بات میں ساری دنیا کی بھلائی ہے۔ اسی جملے میں امن اور سلامتی ہے۔ اسی اصول پر شخصی اور قومی زندگی کا مدار ہے۔ اگر اس تعلیم پر پورا عمل ہو تو یہ دنیائے دوں بے آزار ہونے میں بہشت کا نمونہ نظر آئے گی۔ کیونکہ بدی کا مقابلہ نہ کیا جائے

اور بدی کا جواب نیکی ہو تو یہ پروگرام افراد اور اقوام کی زندگی اور بقا کا موجب ہوتا ہے۔ لیکن اگر بدی کا جواب بدی سے دیا جائے اور اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائے تو یہ لائحہ عمل افراد اور اقوام کے فنا کا موجب ہو جاتا ہے خود اپنے ملک پاکستان کے دور حاضرہ کی تاریخ پر نگاہ کرو۔ تو اس صداقت کی مثال پاؤ گے۔

مرحوم مولانا محمد علی نے کانگریس کے اجلاس میں اپنے خطبہ میں انجیل کی آیات اقتباس کر کے یہی درس دیا کہ "بدی کا مقابلہ نہ کرو" مولانا ظفر علی خان نے اپنے اخبار زمیندار ۷ انومبر ۱۹۲۹ء میں کہا کہ صبر اور ضبط کے سامنے بڑی جاہ و جلال اور غرور و نخوت والی حکومت گھٹنے ٹیک دیتی ہے "جو تم کو ایک گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اُس کی طرف پھیر دو"۔

"مہاتما گاندھی کے پیش کردہ اصول کا نتیجہ آج ہم کو نظر آرہا ہے ہندوستان محکوم قوم نے عدم تشدد کو اختیار کر کے بقا اور زندگی حاصل کی اور ہماری اپنی قوم کے بچوں نے اس اعتراض کا منہ بند کر دیا۔ کہ مسیحیت ناقابل عمل ہے اور یہ سبق سکھلایا کہ کلمۃ اللہ کے اُصول کے سواء افراد اور اقوام کے لئے زندگی کی کوئی اور راہ نہیں۔ آنخداوند کے اصول پر چل کر ہندوستان کے نونہالوں نے ساری دنیا پر ثابت کر دیا کہ عدم تشدد کو اختیار کر کے نہ صرف افراد اور گروہ بلکہ ممالک و اقوام میں تشدد اور جنگ و جدل پر غالب آسکتی ہے" (ماخوذ) چنانچہ ایک دفعہ ایک عالم شرع نے کلمۃ اللہ سے پوچھا کہ سب حکموں میں مقدم حکم کونسا ہے آپ نے فرمایا کہ خدا اور اپنے پڑوسی سے اپنے برابر پیار کرنا (مرقس ۱: ۲۹)۔ یہ جواب سن کر عالم شرع نے پھر آپ سے دریافت کیا۔ کہ میرا پڑوسی کون ہے؟ آپ نے اس سوال کا جواب (نیک سامری) کی تمثیل کے ذریعہ دیا۔ جس کا لُب لباب یہ ہے کہ خدا چونکہ کل بنی نوع انسان کا باپ ہے لہذا ہر فرد دوسرے کا بھائی ہے۔ اس لئے اس نوع انسان کے افراد پر لازم ہے کہ بلا امتیاز ایک دوسرے سے اپنے برابر محبت رکھیں جس طرح خدا باپ دنیا کی تمام اقوام سے مساوی طور پر محبت کرتا ہے۔

یہ پہلا سبق ہے کتابِ ہدا کا
کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

پدرانہ پروردگاری

یہ امر قابل غور ہے کہ مسیح کلمۃ اللہ نے اپنی تعلیم خدا کی ہستی ثابت کرنے سے شروع نہیں کی۔ بلکہ خدا کی پاک اور پیار کرنے والی ماہیت کو باپ کی حیثیت میں انسان پر ظاہر کیا۔ دینوی باپ سے خدا کی مثال دے کر بتلایا کہ خدا پدرانہ پروردگاری سے انسان کے ساتھ سلوک کرتا ہے"۔ تم میں ایسا کونسا آدمی ہے کہ اگر اُس کا بیٹا روٹی مانگے تو وہ اُسے پتھر دے یا اگر مچھلی مانگے تو اُسے سانپ دے پس جبکہ تم بُرے ہو کر بچوں کو اچھی چیزیں دینی جانتے ہو تو تمہارا باپ جو آسمان پر ہے اپنے مانگنے والوں کو اچھی چیزیں کیوں نہ دیگا" (متی ۷: ۹تا۱۱)۔

اس امر کو ثابت کرنے کے لئے ہمارا آسمانی باپ چھوٹی سے چھوٹی باتوں میں ہماری فکر کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ پھول اور میدان کی گھاس کو بھی خوبصورت پوشاک سے ملبوس کرتا ہے۔ اور پرندوں، چرندوں کو خوراک پہنچاتا ہے۔ تو کیا تم اُن سے زیادہ قدر نہیں رکھتے"۔ وہ جو ہم کو زندگی دیتا ہے۔ کیا وہ اُس کو قائم نہ رکھیگا؟ وہ ہماری ضرورت سے واقف ہے جس طرح دینوی باپ اپنے بچوں کی ضرورت کو رفع کرتے ہیں اور حتی الامکان اُن کی حاجتوں کو پورا کرتے ہیں۔ خدا جو ہمارا آسمانی باپ ہے۔ ہماری ضرورت سے واقف ہے۔ "اور تمہارے مانگنے سے پہلے جانتا ہے کہ تم کن کن چیزوں کی ضرورت ہے" فی الحقیقت سچی پروردگاری یہی ہے۔

فرزندیت سے مراد

کلمۃ اللہ نے ہمیں یہ سیکھلایا ہے کہ انسان اُس وقت خدا کا بیٹا کہلانے کا مستحق ہے جبکہ وہ خدا باپ کی اخلاقی خوبی اپنی زندگی سے ظاہر کرے۔ یعنی ہمارا مزاج اور ہمارے کام ویسے ہی ہوں "جیسے خدا کے ہیں" اور یہ برکت بچوں کی سی طبیعت رکھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر تم نہ پھرو۔ اور بچوں کی مانند نہ بنو تو آسمان کی بادشاہت میں ہرگز داخل نہ ہوگے۔ "لہذا حلیم خدا کے وارث ہونگے۔ رحم دلوں پر رحم کیا جائیگا۔ صلح کرانے والے مبارک ہونگے اور پاک دل خدا کو دیکھیں گے"۔

بچوں کی سی زندگی جو اس قدر دلکش اور خوشنما ہے۔ صرف دل کے نئے ہونے پر منحصر ہے۔ چنانچہ کلمۃ اللہ نے ہمیں مسرف بیٹے کی تمثیل کے ذریعے یہ سکھلایا پھر آپ نے ان سے فرمایا: کسی شخص کے دو بیٹے تھے۔ ان میں سے چھوٹے نے اپنے والد سے کہا: ابا جان! جائداد میں جو حصہ میرا ہے مجھے دے دیں۔ اس نے جائداد ان میں بانٹ دی۔ تھوڑے دن بعد چھوٹے بیٹے نے اپنا سارا مال و متاع جمع کیا اور دور کسی دوسرے ملک کو روانہ ہو گیا اور وہاں اپنی ساری دولت عیش و عشرت میں اڑا دی۔ جب سب کچھ خرچ ہو گیا تو اس ملک میں ہر طرف سخت قحط پڑا اور وہ محتاج ہو کر رہ گیا۔ جب وہ اس ملک کے ایک باشندے کے پاس کام ڈھونڈنے پہنچا۔ اس نے اسے اپنے کھیتوں میں سور چرانے کے کام پر لگا دیا۔ وہاں وہ ان پھلیوں سے جنہیں سور کھاتے تھے اپنا پیٹ بھرنا چاہتا تھا لیکن کوئی اسے پھلیاں بھی کھانے نہیں دیتا۔ تب وہ ہوش میں آیا اور کہنے لگا: میرے والد کے مزدوروں کو ضرورت سے بھی زیادہ کھانا ملتا ہے لیکن میں یہاں قحط کی وجہ سے بھوکا مر رہا ہوں۔ میں اٹھ کر اپنے والد کے پاس جاؤں گا اور ان سے کہوں گا: ابا جان! میں پروردگار کی نظر میں اور آپ کی نظر میں گنہگار ہوں۔ اب تو میں اس لائق بھی نہیں رہا کہ آپ کا بیٹا کہلا سکوں۔ مجھے اپنے مزدوروں میں شامل کر لیں۔ پس وہ اٹھا اور اپنے والد کے پاس چل دیا۔ لیکن ابھی وہ کافی دور تھا کہ اس کے والد نے اسے دیکھ لیا اور اسے اس پر بڑا ترس آیا۔ اس نے دوڑ کر اسے گلے لگا لیا اور خوب پیار کیا۔ بیٹے نے اس سے کہا: ابا جان میں پروردگار کی نظر میں اور آپ کی نظر میں گنہگار ہوں، اب تو میں اس لائق بھی نہیں رہا کہ آپ کا بیٹا کہلا سکو۔ مگر والد نے اپنے نوکروں سے کہا: جلدی کرو اور سب سے پہلے ایک بہترین چوغہ لا کر اسے پہناؤ اس کے ہاتھ میں انگوٹھی اور پاؤں میں جوتی پہناؤ۔ ایک موٹا تازہ بچھڑا لا کر ذبح کرو تاکہ ہم کھائیں اور خوشی منائیں۔ کیونکہ میرا بیٹا جو مر چکا تھا وہ زندہ ہو گیا ہے، کھو گیا تھا اب ملا ہے۔ پس وہ خوشی منانے لگے۔ (لوقا ۱۵: ۱۱ تا ۲۴)۔

اول اس تمثیل میں انسان کی گری ہوئی حالت کی عمدہ تصویر ملتی ہے۔ جو اپنی گنہگاری کی حالت معلوم کر کے توبہ اور ایمان کے ساتھ واپس لوٹا اور بڑی خوشی سے قبول کیا گیا اور جب تک باپ کی طرف سے نہ پھرا اُس وقت تک بیٹا ہونے کا مطلق فائدہ نہ اٹھایا۔ دوئم۔ اس تمثیل سے باپ کی اس خوشی کا اندازہ ہو سکتا ہے جو اُس کو بیٹے کے لوٹ آنے سے حاصل ہوا۔ سوئم۔ اس تمثیل میں باپ کے اُس غم کا پتہ ملتا ہے۔ جو اُس کو اپنے بیٹے کی جدائی کے دنوں میں ہوا اس تمثیل کی خاص تعلیم جو ہے انسان کا برگشتہ ہونا اُس کا واپس لوٹ آنا اور پھر بحال کیا جانا۔

محبت کا جوہر

چنانچہ لفظ باپ جو کلمتہ اللہ نے جو خدا کے لئے استعمال کیا ہے۔ اس سے نہ صرف خدا کی پروردگاری کا اندازہ ہوتا ہے۔ بلکہ ہماری طرف اُس کی محبت کا پتہ ملتا ہے۔ حقیقی معنی میں خدا کا باپ ہونا کلوری کی صلیب پر آپ کو قربان کر دینے سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور اپنے آپ کو قربان کر دینے میں مسیح کلمتہ اللہ خدا کے باپ ہونے کی کامل تفسیر مہیا کرتا ہے۔ اور اس قربانی پر ایمان لانا حقیقی فرزندیت کا ثبوت ہے۔ خدا کی پاک اور محبت کرنے والی ذات کا کامل اظہار سیدنا مسیح کی قربانی میں پایا جاتا ہے۔

مغل بادشاہوں کی تاریخ سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ جب شہنشا بابر کا بیٹا ہمایوں سخت بیمار تھا۔ تو باپ اس قدر غم و فکر میں ڈوب گیا۔ اور اُس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ اپنے بیٹے کے بدلے اپنی جان دیدے چنانچہ اپنی قوتِ ارادی کے باعث اپنے بیٹے کی بیماری کو اپنے اوپر لے لیا اور پکار اٹھا کہ میں نے اُس کو پالیا"۔ مورخ بالا اتفاق کہتے ہیں کہ ہمایوں اُس وقت سے بہتر ہونے لگا اور بابر کی صحت بدتر ہونے لگی حتیٰ کہ وہ مر گیا۔

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ "ہم واقعہ بابر میں "ایک قانون پاتے ہیں کہ محبت کا جوہر ایثار ہے خدا جو محبت ہے بھلا اُس کا پدرانہ دل کب یہ گوارا کر سکتا ہے کہ جس انسان کو اس نے اشرف المخلوق بنایا وہ دوزخ کا ایندھن بن جائے۔ جیسے کہ ایک دینوی باپ اپنے بیٹے کے بچانے کے لئے اپنی جان دے دیتا ہے ویسے ہمارا آسمانی باپ اپنے بیٹے سیدنا مسیح کے ذریعے اپنے آپ کو قربان کر دیتا ہے۔ تاکہ ہمارا رشتہ اُسکے ساتھ پھر قائم ہو جائے کیا خدا ایک دینوی باپ کے مقابلے میں اپنے بچوں کے گناہوں پر کم افسوس کرتا ہو گا؟ خدا قدوس ہے۔ کیا وہ اپنے بچوں کے گناہوں پر بہ نسبت دینوی باپ کے کم غمگیں ہوتا ہے؟ تم میں ایسا کونسا آدمی ہے کہ اگر اُس کا بیٹا اُس سے روٹی مانگے۔ تو وہ اُسے پتھر دے؟ یا اگر مچھلی مانگے تو اُسے سانپ دے؟ پس جبکہ تم بُرے ہو کر اپنے بچوں کو اچھی چیزیں دینی جانتے ہو تو تمہارا باپ جو آسمان پر ہے اپنے مانگنے والوں کو اچھی چیزیں کیوں نہ دیگا۔ (متی ۷: ۹تا۱۱)۔

پدرانہ محبت کا ثبوت

مانا کہ انسان بڑا سرکش ہے لیکن اُس کی محبت اس قدر گہری ہے کہ ہماری خطائیں اُس کی راہ میں حائل نہیں ہو سکیں۔ چونکہ خدا محبت ہے اس لئے اُس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا۔ تاکہ جو کوئی اُس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے (یوحنا۳: ۱۰)۔ ہم نے محبت کو اسی سے جانا کہ اُس نے ہمارے واسطے اپنی جان دی۔ (ایوحنا۳: ۱۶)۔

واہ خدا کی محبت کیا ہی عمیق ہے کہ عین اُس عالم میں جبکہ انسان کی کشتی عصیات منجدھار میں پھنسی تھی۔ وہ خود انسانی جامہ پہن کر ہمارے درمیان آیا اور یوں خدا کی محبت کا سماں ہماری آنکھوں کے سامنے بندھ جاتا ہے۔ کہ کس طرح خدا نے مسیح میں ہمیں پیار کیا۔ ہماری نجات کا بندوبست کیا اب کس طرح سے اپنے پاس بلاتا ہے۔ اور کس طرح مسیح میں انسانی ذات انسانی صورت اور انسانی زبان اختیار کرتا ہے۔

وہ خدا جو ہمارے گناہوں کے باعث نہایت دُور تھا۔ اور جس کے بے پایاں جاہ و جلال سے آنکھیں چندھیا جاتی تھیں۔ المسیح میں ایک ایسے خوش پیرایہ میں نظر آتا ہے۔ جیسے سورج کی کرن قوسِ قزاح میں۔ خدا کی لامتناہی محبت مسیح میں ایسی ظہور پذیر ہے۔ جس کو ہم آنکھوں سے دیکھا سکتے

ہیں۔ کانوں سے سن سکتے اور دل سے محسوس کر سکتے ہیں۔ اگر ہر پھول، ہر شجر اور ہر برگ و ثمر میں نقش کروگار نظر آتے ہیں۔ تو کیا خدا کا انسانی جامہ پہننا غیر ممکن تصور کیا جائے۔ جبکہ اپنے کریکٹر اور محبت کے اظہار کرنے کے لئے کرے۔ اگر خدا محبت ہے۔ تو خدا کا تجسم خدا کی محبت کا عملی ثبوت ہے۔

چنانچہ جب ہم خدا کے تجسم کے مقصد پر غور و فکر کرتے ہیں۔ تو محبت اور تقدس کے معنی ہم پر کھلتے ہیں۔ اور یہ کس طرح والدین کی محبت اپنے بچوں کے لئے جوش زن ہوتی ہے۔ خواہ اُن کے بچے اچھے ہوں یا بُرے۔ خدا کی محبت والدین کی محبت سے بہت زیادہ ہے اور اُس کے تحمل اور معافی طاقتیں مقابلہ والدین کے بہت زیادہ ہیں۔ اور جب کوئی اس محبت کو کامل طور پر محسوس کر لیتا ہے تو پکار اٹھتا ہے کہ "اے باپ میں نے تیرا اور زمین کا گناہ کیا۔ اب اس لائق نہیں رہا کہ تیرا بیٹا کہلاؤں"۔

حالانکہ ہم اس لئے خلق کئے گئے تھے کہ اپنے خالق کے حضور میں رہیں لیکن گناہ نے اس رشتہ کو توڑ دیا۔ مگر مسیح نے اپنی جان گنہگاروں کے بدلے فدیہ میں دے کر وہ حدِ فاضل جو گناہ کی وجہ سے انسان اور خدا کے درمیان ہے، اٹھادی۔ اب انسان بذریعہ ایمان بالکفارہ قربت الٰہی حاصل کر سکتا ہے۔ "تم کو ایمان کے وسیلے فضل ہی سے نجات ملی ہے اور یہ تمہاری طرف سے نہیں بلکہ خدا کی بخشش ہے اور نہ اعمال کے سبب سے تاکہ کوئی فخر نہ کرے" (افسیوں ۲: ۸تا۹)۔

ربنا المسیح کی موت اور اُس کے دکھ اٹھانے کا بیان کتنا مختصر کیوں نہ ہو۔ لیکن جب انسان خدا کی محبت پر غور کرتا ہے۔ جس کا ثبوت المسیح نے اپنی موت سے دیا۔ تو اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے اور بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے کہ میرے گناہوں کی خاطر مسیح کلمۃ اللہ مصلوب ہوا اور یہ صلیب میری تھی۔ یہ سزا میری تھی۔ اور یہ رسوائی میری تھی۔ جو مسیح نے اٹھائی۔

بلاریب مسیح کی صلیب خدا کا وہ نور ہے۔ جو خدا کی محبت اور انسان کے گناہ کو، خدا کی قدرت اور انسان کی عاجزی کو خدا کی پاکیزگی اور انسان کی نجاست کو ظاہر کرتا ہے۔ درحقیقت مسیح ایک راز ہے اور اس کا حل اُس کی عظیم قربانی میں موجود ہے اور اس راز کا انکشاف صلیب پر ہوا۔ پس اس کو سمجھنا مسیح کو سمجھنا ہے اور خدا کا جاننا ہے، خدا کو جاننا عالم موجودات اور زندگی کے معانی سمجھنا ہے۔ صلیب ہی وہ واحد کنجی ہے۔ جسے اگر انسان اپنے ہاتھ سے جانے دے۔ تو وہ پیشمان ہوگا۔ اور کائنات کا راز اس پر نہ کھلیگا، لیکن اگر اس کنجی کو اپنے قبضے میں رکھے تو وہ اس راز کو معلوم کرنے پر قادر ہوگا۔

دوستو! ہم صرف کلمۃ اللہ کی قوت میں ٹھہر سکتے ہیں۔ "آسمان کے نیچے کوئی دوسرا نام نہیں بخشا گیا۔ جس کے وسیلے ہم نجات پاسکیں" (اعمال ۴: ۱۲)۔ دنیا میں کوئی اور طاقت نہیں جو انسان کی مادیت کا انسداد کر کے اس میں بلند نظری پیدا کر سکے۔ وہی ایک ایسے باغبان کی طرح ہے۔ جو جنگلی گلاب میں اصلی گلاب کی لہر دوڑا دیتا ہے۔ کیونکہ المسیح انسان میں بستا ہے، اس میں خیال کرتا ہے اور یوں اُس کے خیال ہمارے خیال ہو جاتے ہیں۔ اُس کی زندگی ہماری زندگی ہو جاتی ہے یہ کیسا بھاری فضل ہے۔ کیسی گہری برکت ہے۔ کون ہے جو دنیا میں ذرہ کو اٹھا کر آفتاب کر دے اور خاک کو اکسیر اعظم بنادے۔

پس اتنی بڑی نجات سے غافل رہ کر ہم کیونکہ بچ سکتے ہیں۔ اس لئے آؤ اور اپنی جبین نیاز آستانہ مسیح پر رکھ دو۔ وہی تمہاری روحوں کو سکون بخشیگا۔ وہی تمہارے کلبہ تاریک کو جگمگا دیگا۔ وہ اسی لئے ابن مریم بنا تاکہ ہمیں آسمانی خوشیوں سے مالا مال کرے۔ اُس نے اپنے آپ کو اس لئے پست کیا۔ کہ ہمیں آسمانی مقاموں پر پہنچائے۔ غرض اُس سے باہر موت اور ہلاکت کی وادی ہے۔ چنانچہ اس ظلمت کدہ کے بسنے والوں میں سے جتنوں نے اُسے قبول کیا اُس نے اُنہیں خدا کے بیٹے ہونے کا حق بخشا۔ عالم بالا پر خدا کی تمجید اور زمین پر اُن آدمیوں سے جن سے وہ راضی ہے۔

صلح، وما علينا الا البلاغ۔